مولانا محمد جعفر پھلواروی

ایک حدیث

احتکار کی لعنت

سیدنا عمر صلوات اللہ علیہ سے ایک ارشاد نبوی یوں مروی ہے :

الجالب مرزوق والمحتکر ملعون ۔

بیوپاری کو رزق اور احتکار کرنے والے کو لعنت ملتی ہے[1]

بالکل یہی ارشاد نبوی انہی الفاظ سے اثنا عشری شیعوں کی چاروں اصول میں بھی جناب جعفر صادقؒ سے مروی ہے[2]

کسی حدیث کی صحت کا ایک معیار اس کا اختصار بھی ہے ۔ ایک تو اس لیے کہ آنحضورؐ کو جوامع الکلم کی نعمت قدرت کی طرف سے عطا ہوئی تھی ۔ یعنی حضورؐ ایک لمبے چوڑے مضمون کو چند لفظوں میں پوری جامعیت کے ساتھ ادا کرنے کا ملکہ رکھتے تھے ۔ دوسرے لمبی لمبی روایات کو ہر سننے والا اپنے حافظے میں محفوظ نہیں رکھ سکتا ۔ اسے بیان کرتے ہوئے الفاظ کا ردّ و بدل ہو جانا ایک قدرتی بات ہے بخلاف مختصر احادیث کے کہ اس میں کسی ردو بدل کا امکان گویا رہتا ہی نہیں ۔ سننے والا اسے سن کر اسی طرح دہرا دیتا ہے اور اس میں اسے کوئی دشواری نہیں ہوتی ۔

زیر نظر حدیث چار لفظوں کا مجموعہ ہے جسے نہ تو یاد رکھنے میں کوئی دقّت ہے نہ کسی سے بیان کرنے میں کوئی دشواری ہے ۔ ان چند لفظوں کو صحیح صحیح ادا کرنے میں کسی ردو بدل کا کوئی اندیشہ نہیں پھر یہ بات بھی ایسی ہے کہ کوئی صاحب عقل و عدل ، خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم ۔ اس سچی حقیقت سے انکار کی

---

[1] ابوداؤد ، کتاب البیوع ۔ ابن ماجہ کتاب التجارات ۔

[2] دیکھیے اصول کافی ج ۱ ، ص ۳۷۷ ۔ من لایحضرہ الفقیہ ، ج ۳ ، ص ۱۶۹ ، الاستبصار فیما اختلف من الاخبار ج ۳ ، ص ۱۱۴ ، تہذیب الاحکام ج ۲ ، ص ۱۶۱

کوئی گنجائش نہیں۔

تشریح سننے سے پہلے ایک اور حدیث کو بھی سامنے رکھیے جو اہلِ سنت اور اثنا عشری کی متفق علیہ ہے۔ حدیث یوں ہے:

لا ضرر ولا ضرار[۳]

نہ نقصان اٹھایا جائے نہ نقصان پہنچایا جائے۔

یہ بھی ہر فرقے کی فقہ کا ایک تسلیم شدہ اصول ہے اور یہ واقعہ ہے کہ اسلام کے تمام معاملاتی اوامر و نواہی اسی محور کے گرد گردش کرتے ہیں۔ ہر حکم کا مقصد یہی ہے کہ بنی نوع انسان کے کسی فرد کو کوئی نقصان نہ اٹھانا پڑے۔ اگر کسی بڑے نقصان سے محفوظ رہنے یا کوئی عظیم تر نفع حاصل کرنے کے لیے کوئی نقصان اٹھانا پڑے تو اسے نقصان اٹھانا نہیں قرار دیا جا سکتا۔ وہ اسلام کسی کے نقصان کو کیونکر گوارا کر سکتا ہے جس کا مقصد ہی نفع سے سرفراز کرنا اور نقصان سے بچانا ہو اور جس کی سب سے بڑی اخلاقی قدر نفع رسانی ہو؟ آنحضور کا ارشاد ہے:

خیر الناس انفعھم للناس[۴]

جو شخص انسانوں کو جتنا زیادہ نفع پہنچائے گا وہ اتنا ہی بہتر ہو گا۔

اسی نقطۂ نظر سے زیر بحث حدیث نبویؐ کو دیکھنا چاہیے کہ جب وہ نفع رسانی کا دین ہے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ کسی کو نقصان پہنچانے کا روادار ہو؟ آپ سارے نواہی کو دیکھ جائیے تو آپ کو ان میں جو مشترک نکتہ ملے گا وہ یہی ہو گا کہ روکا انہی چیزوں سے گیا ہے جن سے خود ہمیں نقصان پہنچتا ہے یا کسی دوسرے کو۔ وہ نقصان خواہ دنیوی ہو یا اخروی۔ مادی ہو یا روحانی۔ عارضی ہو یا مستقل، انفرادی ہو یا اجتماعی۔ ایسے نواہی کی تعداد سینکڑوں بلکہ ہزاروں تک پہنچتی ہے۔

ایسے ہی احکام میں تجارت کی وہ تمام قسمیں بھی ہیں جن سے کسی ایک فریق یعنی خریدار یا فروشندہ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ اگر کسی خرید و فروخت میں خریدار کی ضرورت پوری ہوتی ہے تو فروشندہ کو

سے ۳ ۱۔ ابن ماجہ کتاب الاحکام، ۲۔ اصولِ کافی ج ۱، ص ۴۱۰، ۳۔ تہذیب الاحکام ج ۲ ص ۱۶۲، ۴۔ من لا یحضرہ الفقیہ ج ۳ ص ۴۵۔ ۱۴۷۔

سے ۴ مسند شہاب و اصول کافی۔

اس کی محنت کا مناسب نفع حاصل ہوتا ہے تو یہ ایک جائز و مفید تجارت ہے۔ ایسے ہی تاجر کو "جالب" کہتے ہیں اور ایسی تجارت بلاشبہ جائز ہے لیکن جس تجارت میں دھوکا ہو، نفع رسانی کی بجائے نفع اندوزی ہو۔ مجبوری سے فائدہ اٹھایا جاتا ہو یا نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو وہ تجارت بلاشبہ حرام ہے۔ ایسی ہی حرام خوری کی ایک قسم احتکار بھی ہے۔ بعض لوگ غلے یا دوسری اشیائے ضرورت کا ذخیرہ جمع کر لیتے ہیں۔ اس سے لازماً ان اشیا کی قلت پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر جب یہ مصنوعی قلت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ اپنے ذخیرے کو باہر نکال کر گراں سے گراں قیمت پر فروخت کرتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ لوگ ان چیزوں کے ضرورت مند ہیں لہٰذا منہ مانگے داموں سے خریدنے پر مجبور ہیں۔ ان کی اس مجبوری سے مالی فائدہ حاصل کرنے ہی کا دوسرا نام استحصال ہے اور استحصال خواہ کسی شکل میں اور کسی راستے سے آئے اسلام میں حرام ہے۔

احتکار کرنے والے کا عجیب مزاج بن جاتا ہے۔ یہ دوسروں کو تڑپتا دیکھ کر ان کے رقصِ بسمل سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ ان کی مدد کرنے کی بجائے زیادہ سے زیادہ جیب خالی کرا کے خوش ہوتا ہے اور ان کو مزید مجبور کر دینے کو اپنی کامیابی سمجھتا ہے۔ اور اس کی "ہوس ہل من مزید" میں مزید اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور اسی نسبت سے اس کی تنگ دلی میں بھی مزید ترقی ہوتی چلی جاتی ہے۔ اسے انسانی جان کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ وہ انسانوں کو خود ہی مشکلات میں محض اپنی نفع اندوزی کے لیے مبتلا کرتا ہے اور نفع اندوزی کا یہ منحوس جذبہ اس کے اندر سے نفع رسانی کی ساری صلاحیت سلب کر لیتا ہے۔ اسی لیے آنحضورؐ نے احتکار کرنے والے کو قاتل قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوا:

یحشر الحاکرون وقتلۃ الانفس فی درجۃ۔

احتکار کرنے والے اور قتل کرنے والے بروز حشر ایک ہی صف میں اٹھائے جائیں گے۔

قاتل تو قتل کر کے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کر لیتا ہے لیکن احتکار کرنے والا ایسا قاتل ہے جو رقصِ بسمل سے لطف اندوز ہوتا ہے اور اس کی خوشی اس میں ہوتی ہے کہ یہ حرکت مذبوحی جاری رہے اور ایک دو فرد کا نہیں ساری قوم کا رقصِ بسمل ہوتا رہے اور یہ ان سے جلب منفعت کا مشغلہ جاری رکھے۔

بہ ظاہر تو جالب بھی تجارت کرتا ہے اور محتکر بھی، لیکن دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جالب کو مرزوق یعنی رزق حلال حاصل کرنے والا کہا گیا ہے اور محتکر کو ملعون بتایا گیا ہے۔ اگر محض نفع

حاصل کرنا کوئی نیکی ہوتی تو محتکر جالب سے زیادہ کمانے والا ہونے کی وجہ سے زیادہ نیکوکار ہوتا لیکن دونوں میں جو عظیم الشان فرق ہے وہ یہ ہے کہ جالب کا مقصد نفع رسانی ہے اور محتکر کا مقصد نفع اندوزی ہے۔ جالب کا جذبہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو ضروریات زندگی آسانی سے فراہم ہوں اور ضمناً اس کو اپنی محنت کا صلہ بھی مل جائے لیکن محتکر کا جذبہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کی ضروریات پوری نہ ہوں اور وہ مجبور ہو کر اس کے پاس آئیں اور وہ ان کی مجبوری سے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرلے۔

جالب اور محتکر میں فرق پیدا کرنے والی شے دراصل انہی دو متضاد جذبوں کا فرق ہے ورنہ نفع دونوں حاصل کرتے ہیں۔ ایک نفع رسانی کو مقدم رکھتا ہے اور دوسرا نفع اندوزی کو۔ ورنہ نفع کمانے میں بظاہر دونوں یکساں نظر آتے ہیں۔ دراصل اسی جذبہ و رجحان کے فرق کی وجہ سے ایک کو مرزوق اور دوسرے کو ملعون کہا گیا۔

یہاں ایک نکتہ اور بھی پیش نظر رکھنا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے خردہ فروشوں کو احتکار کے مواقع نہیں ملتے یا بہت کم ملتے ہیں۔ زیادہ تر احتکار و ذخیرہ اندوزی وہ لوگ کرتے ہیں جو سرمایہ دار ہوتے ہیں یا پیداواری ذرائع پر قابض ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی خردہ فروش ذخیرہ اندوزی و احتکار کا موقع نہیں پاتا مگر زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کا جذبہ رکھتا ہے اور نفع رسانی پر نفع اندوزی کو مقدم رکھتا ہے تو وہ گراں فروش بن جاتا ہے اور خریداروں کو لوٹنے کا وہی جذبہ رکھتا ہے جو کوئی سرمایہ دار محتکر رکھتا ہے۔ ایسے خردہ فروشوں کو بھی محتکر ہی شمار کرنا چاہیے یہ تو اس کی بدبختی یا خوش قسمتی ہے جو اس کو احتکار کے وسائل میسر نہیں لیکن اگر اسے ایسا موقع مل جائے تو اس میں اور دوسرے محتکر میں کوئی فرق نہیں نظر آئے گا۔

اس قسم کی نفع اندوزی اور گراں فروشی کا علاج صرف مواعظِ حسنہ سے نہیں ہوتا۔ اس کے لیے قانونی تعزیرات کو بھی حرکت میں لانا پڑے گا۔ خردہ فروش تو بڑے ذخیرہ اندوزوں اور گراں فروشوں کے نقال اور مقلد ہوتے ہیں۔ اصل مجرم تو وہ لوگ ہیں جو احتکار کو جنم دیتے ہیں، جو وسائل پیداوار پر قابض ہیں اور جو اپنی سرمایہ داری کے بل بوتے پر ہر طرح کا استحصال کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں دنیا کو اپنی انگلیوں پر نچاتے ہیں۔ اور سب سے پہلے ان کا سدِّباب کرنا ضروری ہے۔